OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

جدید مغربی علوم پر نقد واستدراک اور اخذ واستفادہ: مسلم مفکرینِ تعلیم کی آراء کا تجزیاتی مطالعہ

Criticism and Reparation of Contemporary Western Sciences & Derivation and Utilization: Analytical Analysis of the Views of Muslim Intellectuals

سرفراز حسین سعید
پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ، یونیورسٹی آف گجرات، گجرات
ڈاکٹر ارشد منیر
ایسوسی ایٹ پروفیسر/ چیئرمین شعبہ علومِ اسلامیہ، یونیورسٹی آف گجرات، گجرات

Abstract

Knowledge belongs to various fields, which dicuss the social, political, natural and material aspects of any society. Basically, there are two theories about knowledge; Islamic Theory and Secular or Western Theory. These theories reflect the social background of any society. Ethical values carry primary importance in educational system. With their development, contemporary Westren sciences have laid huge impact on not only non-muslim individuals, but some muslim intellectuals have also fallen prey to their sententious impact. In result, muslim scholars feel proud after getting educated from Westren sciences. But, being devoid of spiritual impact, Western sciencs have led them to the way where neither God has any place nor the ethical values have any importance. Since the importance of Western sciences, in current scenario, cannot be denied, the muslim scholars and intellectuals have shown serious concern in this matter. They have different view points on whether the muslims should derivate and utilize the contemporary Western sciences or not. There has been a lot of debate and discussion on the issue of Islamization of modern Western sciences among the muslim intellectuals also. This article aims to analyze the views of muslim intellectuals on derivation and utilization from Western sciences and also the discussion will be made on how the unislamic elements of western sciences can be Islamized.

Key Words: Education, Islamization, Knowledge, Western Sicences

موضوعِ تحقیق کا تعارف، اہمیت اور پسِ منظر

علم کے متنوع میدان ہیں۔ یہ کائنات اور زندگی کے تمام طبعی، معاشرتی، روحانی اور مادی پہلوؤں سے بحث کرتے ہیں۔ علوم کے بارے میں سیکولر اور مذہبی مختلف طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں۔ نظریاتِ تعلیم کی اس تقسیم کے انسانی معاشرے پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ علم التعلیم، اساتذہ اور طلبہ کے لیے مختلف مضامین کی تدریس اور سیکھنے سے متعلق ہے۔ اس تعلیمی عمل سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ تعلیم پانے والے کا رویّہ تبدیل ہو کر معاشرے سے مطابقت اختیار کر لے اور اس کے اندر ایک موثر انسانی شخصیت

کے لیے مطلوبہ صلاحیتوں کی نشو و نما ہو۔ تعلیم ایک اطلاقی عمل ہے، جو دوسرے اجتماعی اور انسانی مضامین پر مشتمل ہے۔ یہ سیکھنے والے یا متعلّم کے روّیے کو معلومات اور مہارت کے لحاظ سے تبدیل کرنے سے بحث کرتا ہے۔ تعلیم انسانوں کی ایک خاص سمت میں رہنمائی کرتی ہے۔ یہ سمت معاشرے کی اقدار یا کسی خاص نظریۂ حیات سے متعین ہوتی ہے۔ اس سارے تعلیمی عمل میں مختلف تکنیکیں اور طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔

مختلف علوم چاہے وہ مذہبی ہوں یا سیکولر، یہ علوم بذاتِ خود ایک عمل بھی ہیں اور عمل کا نتیجہ بھی۔ تعلیم کے مقاصد اور نتائج معاشرے کے نظامِ اقدار کا عکس ہوتے ہیں۔ اسی لیے تعلیم ہر گز ایک غیر جانب دار مضمون نہیں ہے۔ تعلیم غیر جانبدار ہو ہی نہیں سکتی، وہ اس لیے کہ جن نظریات اور اقدار پر مبنی تعلیم افراد تیار کرتی ہے، وہ افراد اور شخصیات اسی اقداری نظام اور اس کے نظریۂ حیات کے نمائندہ ہوتے ہیں۔ تعلیم کے مختلف حصے دوسرے اجتماعی اور انسانی مضامین سے اس کے تعلق پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ مضامین بھی کچھ اقدار اور کچھ تجربات سے تشکیل پاتے ہیں۔ عملِ تعلیم جس میں سکھانے کے مختلف طریقے، لوازمے اور حکمتِ عملی کا استعمال شامل ہے، یہ انسان کی عمومی فطرت پر مبنی ہوتا ہے اور اسے بین الاقوامی اور تجرباتی زاویے بھی مدد دیتے ہیں۔

مسلمان مفکرینِ تعلیم نے جدید مغربی علوم سے اخذ و استفادہ کے متعلق مختلف آراء دی ہیں، نیز ان سے اخذ و استفادہ کی صورت کیا ہو گی، کون کون سے مغربی علوم سے استفادہ کیا جا سکتا ہے؟ وہ کون کون سے علوم ہیں جن کا مغرب سے لینا نامناسب ہے؟ اور کون سے علوم ایسے ہیں جن سے مکمل اخذ و استفادہ کیا جا سکتا ہے اور کون سے علوم ہیں جن سے جزوی طور پر استفادہ کیا جانا چاہیے؟ نیز اگر ایسے علوم جو اسلامی فکر و نظر سے متصادم ہیں لیکن عصرِ حاضر میں اُن سے استفادہ ناگزیر ہے تو ان علوم میں شامل غیر اسلامی عناصر کو کس طرح اسلامی قالب میں ڈھالا جا سکتا ہے؟ درج ذیل مباحث میں انہی سوالات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

مبحث اوّل: جدید مغربی علوم کی اساسیات، افکار اور نظریات

کسی بھی نظامِ تعلیم میں اصل اساس اس نظام کی اقدار کو حاصل ہوتی ہے، اور یہی اقدارِ حیات، اخلاق و کردار کے پیدا کرنے کے موجب ہوتے ہیں۔ مگر مغربی نظامِ فکر و تعلیم میں حقیقت اس کے برعکس ہے کہ یہاں اقدار ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ فرد کا بنیادی مقصد مادی اور دنیاوی منفعت کا حصول ہے یہی وجہ ہے کہ مغرب نے جو نظامِ تعلیم پیش کیا ہے، اس میں بھی مادیت پرستی، لذت پرستی اور عیش کوشی کو ہی مرکزی حیثیت حاصل ہے، یہ اسی نظامِ تعلیم اور نظامِ فکر کا کرشمہ ہے کہ مغربی تہذیب کے عالمگیر غلبہ کی وجہ سے دنیا کو متعدد مسائل کا سامنا ہے۔ روحانیت اور اخلاص کی جگہ لادینیت اور الحاد کا عنصر غالب ہے، خدا خوفی کی جگہ دنیا طلبی نے لے لی ہے، اخلاقی اقدار میں تغیر اور زوال آچکا ہے۔ پوری دنیا بالعموم اور امّتِ مسلمہ بالخصوص ان مضر اثرات سے متاثر ہوئی ہے۔

مغربی مفکرینِ تعلیم نے تعلیم کے بارے میں جو نظریات پیش کیے ہیں، اُن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

John Milton (۱۶۰۸ء–۱۶۷۴ء) تعلیم کی تعریف یُوں کرتا ہے:

"In my view, complete and generous education can be defined as one which fits a man to perorm justly, skillfully and magnanimously all the offices, both public and private, of peace and war." [1]

"میرے نزدیک مکمل اور شریفانہ تعلیم وہ ہے جو انسان کو بحالتِ جنگ اور امن اپنی اجتماعی اور انفرادی زندگی کے فرائض دیانت و مہارت اور عظمت کے ساتھ ادا کرنے کے لیے تیار کرتی ہے۔"

امریکی فلسفی *John Dewey* (۱۸۵۹ء–۱۹۵۲ء) کے نزدیک:

"It (Education) is the process of forming fundamental mental and emotional disposition towards nature and our fellow human beings"[2]

"تعلیم افراد اور فطرت کے متعلق بنیادی طور پر عقلی اور جذباتی رویوں کے تشکیل پانے کا عمل ہے۔"

John Dewey ایک اور جگہ اس طرح رقمطراز ہے:

"It (Education) is that reconstruction or reorganization of experience which adds to the meaning of experience, and which increases ability to direct the course of subsequent experience." [3]

"تعلیم تجربے کی تعمیر یا تنظیمِ نو کا نام ہے، جس سے تجربے کے معنی میں اضافہ ہوتا ہے اور آئندہ پیش آنے والے تجربات کا رُخ متعین کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔"

مشہور ماہر تعلیم *Herbert Spencer*: (۱۸۲۰ء–۱۹۰۳ء) نے تعلیم کی تعریف یُوں کی ہے:

"Education is the process of relating the inner situations with that of outer ones and the main objective of education is the preparation of life." [4]

"تعلیم اندرونی حالات کا بیرونی حالات سے مطابقت کا عمل ہے، اور تعلیم کا مقصد زندگی بسر کرنے کی تیاری ہے۔"

ایک اور مغربی ماہر تعلیم *Thomas Woody* (۱۸۹۱ء–۱۹۶۰ء) کا کہنا ہے:

"In its broadest meanings, Education is any process by which an individual gains knowledge on insight or develops attitudes or skills"[5]

"اپنے وسیع تر معنوں میں تعلیم ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے کوئی بھی فرد نہ صرف ادراک حاصل کرتا ہے بلکہ اپنے رویوں اور مہارتوں کو بھی فروغ دیتا ہے۔"

مغربی ماہرینِ تعلیم کی تعریفات کی روشنی میں جو نظریۂ علم واضح ہوا ہے، اس کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ

۱۔ مغربی مفکرینِ تعلیم کے پیش کردہ تعلیمی نظریات سے فرد کی فلاح کا تصور پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ مغربی مفکرینِ تعلیم کے تعلیمی نظریات فرد کی دنیاوی فلاح پر زور دیتے ہیں جب کہ اُخروی فوز و فلاح سے عاری معلوم ہوتے ہیں۔

۳۔ تعلیم کا مقصد فرد کو محض دنیاوی زندگی بسر کرنے کا طریقہ سکھانا ہے۔

۴۔ مغربی نظامِ تعلیم میں مادیت پرستی، لذت پرستی اور عیش کوشی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

مغربی ماہرینِ تعلیم کے نزدیک مقاصدِ تعلیم

کسی قوم کی معاشرت اس کی تربیت یافتہ عادتوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اس میں برسوں کی ریاضت اور تجربات شامل ہوتے ہیں۔ معاشرت اور معاشرتی زندگی کی اساس و بنیاد نظریہ و فلسفۂ تعلیم ہوتا ہے جو اس کے ماہرین و مرتبین کے عقائد و نظریات فلسفہ زندگی کے بارے میں ان کے خیالات، اساس و مقاصد اور ان کے اخلاق و کردار کا عکس ہیں۔ مغربی ماہرینِ تعلیم نے تعلیم کے جو مقاصد متعین کیے

ہیں وہ ان کے نظریہ حیات اور فلسفۂ حیات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ذیل میں مغربی ماہرینِ تعلیم کے ہاں کون کون سے مقاصدِ تعلیم ہیں، ان کا جائزہ لیا گیا ہے۔

جدید مغربی تہذیب و تمدن کی اساسیات یونانی تہذیب و تمدن ہے، یونانی مفکرین نے جو نظریات اور مقاصدِ تعلیم متعین کیے ہیں، جدید مغربی علوم کی بنیاد یہی نظریات ہیں۔

Plato (۴۲۸ قبل مسیح ــ ۳۴۷ قبل مسیح) کے نزدیک:

"Education is responsible for the development of the mind and body of an indvidual so that he/she eagerly pursues the ideal perfection of citizenship."[6]

Plato کہتا ہے کہ تعلیم فرد کے ذہن اور جسم کی اس طرح کی نمو کی ذمہ دار ہے کہ جس کے ذریعے وہ خود کو مثالی شہری بنا کر ذاتی اور معاشرتی زندگی کی تکمیل کر سکے۔ اس کے نزدیک تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ جس کے ذریعے انسان کو ایسے مواقع مہیا کیے جائیں جن میں اس کی روح کی نشوونما اور بالیدگی میں مدد مل سکے۔

Aristotle (۳۸۴ قبل مسیح ــ ۳۲۲ قبل مسیح) کہتا ہے کہ:

"Education is the process of training man to fulfill his aims by exercising all the faculties to the fullest extent as a member of society. This aim is discovered by intellect and by his freewill"[7]

Aristotle کے نزدیک تعلیم کا مقصد فرد کی تربیت ہے تاکہ فرد اپنی صلاحیتوں کے بھرپور استعمال سے اپنی ذات کی تکمیل کر سکے اور معاشرے کا بہترین فرد بن سکے اور صلاحیتوں کی اس تکمیل کی بنیاد عقل اور آزاد ارادے پر ہو۔

Socrates (۴۷۰ قبل مسیح ــ ۳۹۹ قبل مسیح) کے نزدیک:

"Education aims at discovering the principles of truth, beauty and good and acquiring the individual with them. These principles govern human conduct which already exist in the mind of the individuals."[8]

Socrates کہتا ہے کہ تعلیم کا مقصد سچائی، حسن اور خیر جیسے عالم گیر اصولوں کی تلاش اور انہیں فرد سے روشناس کرانا ہے۔ یہ اصول انسانی رویوں پر حکمرانی کرتے ہیں اور فرد کے ذہن میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔[9]

John Dewey کے مطابق تعلیم کا مقصد انسان کو پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنے میں مدد دینا ہے۔ *John Dewey* تعلیم کو ایک تجربہ کی تعمیرِ نو سے تعبیر کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ:

"It is that reconstruction or recognization of experience which adds to the meaning of experience, and which increases abillity to direct the course of subsequent experience"[10]

" تعلیم تجربے کی تعمیر یا تنظیمِ نو کا نام ہے، جس سے تجربے کے معنی میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور مستقبل میں پیش آنے والے تجربات کا رُخ متعین کرنے کی صلاحیت میں اضافہ ہو جاتا ہے"

مغربی ماہرینِ تعلیم کے نظریات کے مطابق مقاصدِ تعلیم کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ مغربی ماہرینِ تعلیم نے اپنے فلسفۂ تعلیم میں انسانی زندگی کا مقصدِ اعلیٰ، محرک اور غائیت متعین کرنے میں بہت محنت کی ہے۔ مغربی ماہرینِ تعلیم کے نظریات

اور مقاصدِ تعلیم میں فرد کی اصلاح اور دنیوی فلاح کا تصور تو ہے لیکن اُخروی فلاح سے عاری ہے۔ مغربی ماہرینِ تعلیم کے پیش کردہ تعلیمی و تدریسی مقاصد میں لادینیت والحاد، مادہ پرستی اور حصولِ آزادی ہیں، جس میں سیرتِ انسانی کی تشکیل و نکھار کے لیے اعلیٰ اقدار کی وضاحت موجود نہیں۔

مغربی مفکرینِ تعلیم کے افکار اور اُن کے پیش کردہ مقاصدِ تعلیم کا جائزہ لیتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ

۱۔ جدید مغربی علوم میں مذہب کی کوئی اہمیت نہیں۔ مغربی تہذیب کے عروج کے اس دور میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جسے دنیاوی مشغولیت وانہماک نے اس قدر مشغول کر لیا ہے کہ ان کی زندگی میں مذہب کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔

۲۔ جدید مغربی علوم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علوم اب خدا طلبی کی بجائے دنیا کی طلب پیدا کر رہے ہیں۔ مغرب میں دنیا پرستی کا ایک بہت بڑا طوفان آیا ہے اور اس طوفان کا پیش خیمہ جدید مغربی علوم ہی ہیں۔

۳۔ جدید مغربی علوم میں اخلاق واقدار کی کوئی جگہ نہیں۔ جدید مغربی علوم اخلاقی اقدار سے عاری ہیں جس کی وجہ سے آنے والی نسلوں میں اخلاقی زوال اور انحطاط نمایاں ہے۔

۴۔ جدید مغربی علوم کے حصول کا مقصد منفعت کا حصول، آسائش اور بہتر زندگی ہے۔

۵۔ جدید مغربی علوم کی اساسیات مادیت پرستی ہے۔ عصری فکر و فلسفہ اور جدید مغربی علوم کی بنیاد خالص مادیت پر رکھی گئی تو تعلیم کا مقصد صرف اور صرف دولت کا حصول قرار پایا۔ تعلیم جس کا مقصد انسانی سیرت و کردار کی تشکیل اور خود آگاہی تھا، اس کو فراموش کر کے جدید مغربی علوم کی بنیاد حصولِ زر پر رکھی گئی۔

۶۔ جدید مغربی علوم کی اساسیات میں بے مقصدیت غالب رہی۔ مغربی نظامِ تعلیم جہاں جہاں رائج ہوا وہیں اس قوم، ملک اور اس کے باشندوں میں بے مقصدیت غالب رہی۔ اس کے برعکس خود غرضانہ اور مفاد پرستانہ ماحول وجود میں آیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس قوم، ملک اور معاشرہ کے افراد آپس میں باہم مربوط نہ ہو سکے۔ الغرض جو نظریہ تعلیم بے عقیدہ ہو جس کا کوئی مقصد نہ ہو، جس کی اساسیات میں الحادیت اور لادینیت ہو، جس میں انسانی سیرت و کردار کی واضح ہدایات نہ ہوں، جو طبقاتی تقسیم کا سبب بنے اور جو واضح نصب العین اور مقصدِ حیات سے غافل ہو تو ایسے نظامِ تعلیم کے اثرات و نتائج تباہی اور بربادی کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں۔ جدید مغربی علوم نے انسانیت کو ایک ایسے راستے پر چلا دیا ہے جس کی نہ کوئی منزل ہے اور نہ ہی کوئی مطلوب و مقصود۔

۷۔ جدید مغربی علوم کی اساسیات میں تحقیرِ انسانیت بھی کارفرما ہے۔ جدید مغربی علوم نے ایسے افکار و نظریات پیش کیے ہیں جنھوں نے انسان کو اشرف المخلوقات کے اعلیٰ وارفع مقام سے گرا کر حیوانیت کے درجے پر لا کھڑا کیا ہے۔ انسان کو صرف ایک حیوان کے شائبہ قرار دیا گیا ہے، جس کی زیست کا مقصد خواہشاتِ نفس ہیں۔ اس فلسفہ و فکر کی بنیاد ڈارون کا نظریہ ارتقاء اور فرائڈ کے نظریات پر ہے۔

مبحث ثانی: جدید مغربی علوم پر کی گئی تنقیدات کا جائزہ

جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کی تحریک نے بیسویں صدی کے ممتاز مسلمان مفکرین اور ماہرینِ تعلیم کی بہت زیادہ توجہ حاصل کی۔ ان میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (۱۹۰۳ء۔۱۹۷۹ء)، سید نقیب العطاس (۱۹۳۱ء۔۲۰۰۶ء)، ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی (۱۹۲۱ء۔۱۹۸۶ء)، ڈاکٹر طٰہٰ جابر العلوانی (۱۹۳۵ء۔۲۰۱۶ء)، سید حسین نصر (۱۹۳۵ء) اور ڈاکٹر عبدالحمید ابو سلیمان (۱۹۳۶ء) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ بیسویں صدی کے وہ تمام مسلمان مفکرین ہیں جنھوں نے اسلامی مقاصدِ تعلیم کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے عقلی اصولوں اور

طریقوں کی روشنی میں جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے لیے جامع اور منظّم طریقہ کار اختیار کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ مسلمان مفکرین نے نظامِ تعلیم سے وہ تمام غیر اسلامی اور غیر متعلقہ قسم کے عناصر پر بھرپور تنقید کی جو گزشتہ چند صدیوں سے مسلمانوں کے نظامِ تعلیم میں دَر آئے ہیں اور مسلمان ان سے بہت زیادہ مرعوب ہو رہے تھے۔ ڈاکٹر طٰہٰ جابر العلوانی نے اس منظّم اور مربوط طریقہ کار کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے لکھا کہ آج جدید علوم کی اسلام کاری کے لیے مسلمان جو طریقے اپنا رہے ہیں وہ بہت کمزور اور خامیوں سے بھرپور ہیں اور یہ طریقے مسلمانوں کو اس معاملے میں آگے لے جانے کی بجائے پیچھے کی طرف دھکیل رہے ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے مروجہ تعلیمی نظام کا تنقیدی جائزہ لیا۔ مولانا کے نزدیک تین نظامِ تعلیم ایسے جن کی اسلام کاری بہت ضروری ہے۔ یہ علوم درج ذیل ہیں:

الف۔ جدید مغربی نظامِ تعلیم

ب۔ قدیم نظامِ تعلیم، اور

ج۔ جدید اور قدیم نظامِ تعلیم کا مجموعہ

مندرجہ بالا تینوں نظام ہائے تعلیم کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

"امامت میں انقلاب پیدا کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ ان تین نظام ہائے تعلیم سے بالکل ہٹ کر ایک نیا نظامِ تعلیم تشکیل دیا جائے، جس کا نقشہ ابتدائی تعلیم سے شروع کر کے اعلیٰ تعلیم تک ان تینوں نظاموں سے مختلف نوعیت کا ہو۔"[11]

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نصاب کو بنیاد بناتے ہوئے لکھا:

"اس وقت مسلم یونیورسٹی میں جو طریق تعلیم رائج ہے وہ جدید تعلیم اور اسلامی تعلیم کی ایسی ملاوٹ پر مشتمل ہے جس میں کوئی امتزاج اور موافقت نہیں۔ یہ دونوں نظام ہائے تعلیم نہ صرف ایک دوسرے سے مختلف ہیں بلکہ ایک دوسرے کے متضاد بھی ہیں۔ ان دونوں کو جوں توں کر کے ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ اگر اسلامی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ متبائن اور متزاجم عناصر کی آمیزش اصلاً غلط ہے اور اس سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔"[۱۲]

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس نظریہ کے حامی تھے کہ عام قسم کے کالجز اور مدرسوں میں جو نصابِ تعلیم مروج ہے وہ جدید تقاضوں کے لیے انتہائی ناکافی اور ناقص ہے، جس کا کوئی واضح مقصد نہیں کہ طلباء کو کس سمت میں لے کر جانا ہے۔ نوجوان نسل کی تعمیر اور اصلاح کا کوئی بھی منصوبہ ان کالجز کے نصاب میں نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ٹھوس قسم کا عملی پلان ہے کہ جس سے تیار افراد کو دنیا کی امامت کی ذمہ داری سونپی جا سکے۔ ایسے نصاب سے تیار افراد دنیا کی امامت اور رہنمائی کے لیے تو نہیں بلکہ فسادی سرگرمیوں میں ملوث نظر آتے ہیں۔ ایسے نصاب سے تیار افراد کا مقصد دنیوی اور اُخروی فلاح نہیں بلکہ اُن میں مغربی فکر پروان چڑھتی ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے مطابق مغرب سے مرعوب مصلحین اور مفکرین تعلیم کا نظریہ یہ ہے کہ مغربی فکر و فلسفہ اور جدید مغربی علوم امّتِ مسلمہ کی فلاح و بہبود اور ان کی ترقی کا واحد حل ہیں۔ ایسے مفکرین تعلیم مغربی فکر اور فلسفۂ تعلیم کو من و عن ہمارے نظامِ تعلیم میں داخل کرنا چاہتے ہیں اور عملی طور پر ایسا کر بھی رہے ہیں، لیکن اصل ضرورت اس امر کی تھی کہ مغربی فکر و فلسفہ کا تنقیدی جائزہ لیا جاتا اور پھر اسے اسلامی مبادیات کی کسوٹی پر پرکھا جاتا، دوسرے مرحلہ میں اس جانچ پرکھ سے حاصل نتائج کی روشنی میں اس کے منفی پہلوؤں کو رَد کر دیا جاتا اور مثبت پہلوؤں کو اختیار کر لیا جاتا۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوا تو پھر اس نصابِ تعلیم سے وہ مطلوب نتائج کیسے نکل سکتے ہیں جو اسلامی نظامِ تعلیم سے مطلوب ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے مطابق جدید مغربی علوم اپنے فکر و فلسفہ میں الہامی تعلیمات کے پابند نہیں۔ یہ جدید علوم نہ تو آخرت کی جوابدہی کا احساس دلاتے ہیں اور نہ ہی ان میں خدا کے لیے کوئی جگہ ہے۔ جدید مغربی علوم افراد کو صرف پیٹ کا پجاری بناتے ہیں اور ان میں مادہ پرستی پیدا کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ مغربی علوم کی از سرِ نو اسلامی اصولوں پر تشکیل کی جائے۔

سید نقیب بن علی العطاس کا شمار عصرِ حاضر میں ملائیشیاء کے نامور اور معتبر مسلم فلاسفر اور مفکرینِ اسلام میں ہوتا ہے۔ آپ ان چند قیمتی اہلِ قلم میں سے ہیں جنہوں نے جدید مغربی علوم پر کھل کر تنقید کی۔ آپ جہاں ایک طرف روایتی اسلامی علوم کا مکمل فہم رکھتے ہیں، وہیں عصری مغربی علوم کے ساتھ ساتھ فلسفے، الٰہیات، تاریخ اور ادب جیسے فنون پر بھی آپ کو کمال کی دسترس حاصل ہے۔ آپ نے جدید مغربی علوم میں غیر اسلامی اور اسلام سے متصادم عناصر پر تنقید کی۔ آپ نے جدید مغربی علوم کی اسلامائزیشن اور دیگر علوم، جن پر مغربیت کا رنگ چڑھ گیا ہے، کو مغربیت کے سیکولر اثرات سے آزاد کروانے کے لیے ایک انتہائی اہم مگر منفرد ادارہ بنام "بین الاقوامی ادارہ برائے اسلامی فکر اور تہذیب" (International Institute of Islamic Thought and Civilization) قائم کیا۔ یہ ادارہ اپنے منفرد مخصوص علمی شعبہ جات اور طالبعلموں کے ذریعے جدید دنیا کے ہر شعبے میں امامت کے لیے پیدا ہونے والے خلا کو پُر کرنے کے لیے گرانقدر کردار ادا کر رہا ہے۔ آپ نے اسلام اور سیکولرازم (Islam and Secularism) کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف کی، جس کا مقصد آپ کے نزدیک یہ ہے کہ علوم کے ساتھ ساتھ انسانی ذہن، جسم اور روح کی بھی اسلامائزیشن کی جائے، تاکہ اس کے اثرات نہ صرف ایک طرف ایک فرد پر ہوں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مسلم معاشروں میں مسلمانوں کی اجتماعی زندگیاں بھی اس سے فیض یاب ہوں۔

سید نقیب العطاس یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ جدید مغربی علوم نے فرد کو انسانیت سے بے بہرہ کر دیا ہے۔ آپ نے مسلسل اس بات پر زور دیا کہ تعلیم کا مقصد اچھے شہری یا اچھے کارکن پیدا کرنا نہیں بلکہ اچھے انسان پیدا کرنا ہے۔ سید نقیب العطاس نے مغربی علوم کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے کہا ہے کہ

"The western civilization produces good citizens. Islam has different point of view in this matter. A good citizen in a secular state may not necessarily be a good man; a good man, however, will definitely be a good citizen. As a result, a man who is good in the general society must be good and just to himself first." [13]

مغربی تہذیب میں علم کا مقصد جستجو کرنے والے کو ایک اچھا شہری بنانا ہے۔ اس معاملے میں اسلام کا نقطۂ نظر مختلف نوعیت کا ہے۔ کیوں کہ اسلام میں علم کی جستجو کرنے والے کو ایک نیک آدمی بنانا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ ایک شہری بنانے کے مقابلے میں ایک نیک آدمی بنانا زیادہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک آدمی ایک اچھا شہری بھی ہوگا لیکن یہ ضروری نہیں کہ اچھا شہری نیک بھی ہو۔

العطاس اپنی اس بات کو مزید واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علم، عقیدے اور ایمانِ صادق پر مشتمل ہے، اور علم کی جستجو کا مقصد انسانی شخصیت میں عدل پیدا کرنا ہے نہ کہ انسان کو صرف ایک شہری یا معاشرے کا جزوِ لاینفک بنانا۔[۱۴]

سید نقیب العطاس نے عصری مغربی علوم پر تنقید کرتے ہوئے لکھا کہ جدید مغربی علوم کے ساتھ ساتھ سماجی و سائنسی علوم پر بھی مغربی فکر غالب ہے۔ امتِ مسلمہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہی، بلکہ وہ بھی مغرب کی ملحدانہ فکر و تہذیب سے بے حد متاثر ہوئی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مسلمانوں کے اذہان میں انتشار نمایاں طور پر جھلک رہا ہے۔ مسلمانوں کی فکر اور سوچ پست ہو گئی ہے اور اسی وجہ سے مسلمانوں کے اخلاق و اقدار اور کردار میں تنزل پیدا ہوا ہے۔ سید نقیب العطاس کے نزدیک اس ذہنی انتشار اور جمود و تعطل کا نتیجہ ادب کا فقدان ہے۔ فقدانِ ادب ذہن، جسم اور روح میں نظم و ضبط اور ترتیب کا نہ ہونا ہے۔ ادب ہی ایک ایسا وصف ہے کہ جس کی بدولت ہم معاشرہ اور امت میں اپنی پوزیشن کا تعین کرتے ہیں اور روحانی، جسمانی اور فکری صلاحیتوں کو جلا بخشتے ہیں۔ نظمِ فکر اور تعلیم میں ادب کا اہم مقام ہوتا ہے۔ ایک باادب انسان چونکہ اپنی ذمہ داریوں سے اچھی طرح آگاہ ہوتا ہے اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد ذمہ داریوں سے بھی بخوبی واقف ہوتا ہے۔

ڈاکٹر طٰہٰ جابر العلوانی جدید مغربی علوم پر تنقید کرتے ہوئے اور ان علوم کی اسلام کاری کی ضرورت پر قلم کاری کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"The Islamization of knowledge is primarily a methodological issue propositioned on the identification and articulation of the relationship between revelation and real-existence. In its essence, that relationship is one of integration and permeation that clarifies the comprehensive manner in which the Qur'an deals with the real-existential and its governing and regulating natural laws and principles".[15]

ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی نے جدید مغربی علوم پر بھرپور تنقید کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"جدید مغربی عمرانی علوم، تاریخ، جغرافیہ، معاشیات، سیاسیات، عمرانیات اور بشریات کی ترقی رومانوی تحریک تھی۔ ان میں سے ہر شعبہ علم قوم پرستی پر مبنی ہے کہ ہر قوم یا نسلی اکائی جو جغرافیائی حدود اور تعداد افراد کے ساتھ متعین ہے، جس کی تاریخ قدیم ہے اور دھندلکے میں گم ہے۔ وہ ہی اقدار کا تجزیہ کرنے والی اور حتمی فیصلہ کرنے والی ہے۔ جب وہ معاشرہ اور معاشرتی تنظیم کے الفاظ بولتے ہیں تو ان کی مراد اپنی قوم سے ہوتی ہے۔ بعض تو اس کا اعتراف آغاز میں ہی صراحت سے کر لیتے ہیں اور بعض اس بنیادی تسلیم شدہ حقیقت کا اظہار غیر ضروری خیال کرتے ہیں۔ جدید مغربی علم میں علمِ عمرانیات تو نسل پرستی کے دعویٰ کو کھلم کھلا تسلیم کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق براہِ راست معاشرہ اور معاشرتی تنظیم سے ہے۔ علمِ سیاسیات بھی اس کا متبع ہے۔ مغربی جغرافیہ دان دنیا کو صرف مغرب کے باج گزار کی حیثیت دیتا ہے۔ دنیا انگلستان یا امریکہ یا فرانس یا جرمنی یا اٹلی کو محور مان کر اس کے گرد گھومتی ہے۔ ملک کی تخصیص، مصنف اور مقامِ اشاعت کی وجہ سے ہے۔ مغربی علمِ معیشت نے البتہ ابتدائی مراحل میں آفاقی درجہ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن رومانی اور قوم پرست یورپی اور نازی مصنفین نے اس علم کو مغربی قوم کے مغربی تجزیہ کی حیثیت سے پیش کر دیا۔ اس علم کے متعلق کارل مارکس کے بلند و بانگ دعووں کے لینن اور خروشچیف نے اپنی عملی پالیسیوں سے باطل قرار دیا۔ اگرچہ ان کی حکومتوں نے اس قسم کو پالیسی بیانات کا چھپنے کی اجازت نہیں دی۔ تاہم اس نے روس کے ۱۹۷۸ء کے جدید دستور میں قوم پرستانہ (یہاں قومی اشتراک) اعلانات کو بھی شامل کر لیا۔ آخر میں جدید مغربی علوم میں سے علمِ انسان سب سے زیادہ صاف گوئی سے کام لیتا ہے۔ اس علم کے نزدیک انسانیت کا مطلب ہے: نسل۔ دونوں اصطلاحوں کو یکساں سمجھا جاتا ہے۔ گزشتہ دو صدیوں کی اس کوشش کا اثر یہ ہوا کہ نوعِ انسانی کے اذہان میں

قوم پرستی کے شعور کو جنون کی حد تک شامل کر لیا گیا۔ کبھی ایک کبھی دوسرے ذیلی گروہ کے لیے اس کے نوعی خصائص کی بنیاد پر ایک نظریہ حیات اور نظریہ اقدار وضع کیا جاتا ہے یا پھر قوم پرستی کے دعویدار اس گروہ کے طبعی خصائص کی بنا پر جو نظریہ گھڑ کر پیش کر دیں۔ انسان کے اس آفاقی تصور کو متعین کرنے اور ان پر زور دینے کی بجائے پوری قوت اس امر پر صرف کی جا رہی ہے کہ کل کی بجائے جزو کے خصائص کو مشخص کر کے اُبھارا جائے، اور پھلا کر بڑا بنا دیا جائے۔"[۱۶]

پروفیسر سید محمد سلیم نے بھی جدید مغربی علوم پر کھل کر تنقید کی۔ آپ اپنی کتاب "مغربی فلسفہ تعلیم: ایک تنقیدی مطالعہ" میں مغربی علوم پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"مغربی نظام تعلیم بہت سے شعبوں پر مشتمل ہے۔ لیکن ان سب کی بنیاد انکارِ مذہب اور انکارِ مابعد طبعیات پر استوار ہے۔ اسی لیے مذہب دشمنی اور لادینیت اس نظامِ حیات کی معروف اور مقبول قدر ہے۔ اس نظامِ حیات کے رگ و ریشہ میں لادینیت سرایت کیے ہوئے ہے۔ لادینیت کو اس نظامِ تعلیم میں اصولِ موضوعہ کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ ابتداء میں ہی لادینی تصورات کو نوخیز طلبہ کے ذہنوں میں راسخ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سرکاری سطح پر احکامات صادر کیے جاتے ہیں اور سرکاری درسگاہوں میں ہر قسم کے مذہب کی تعلیم ممنوع قرار دی جاتی ہے۔ جدید مغربی علوم کی دوسری بنیاد غیر جانبداریت پر ہے۔ مغربی مفکرینِ تعلیم غیر جانبداریت کا مفہوم یہ لیتے ہیں کہ ہر شخص کو آزادی حاصل ہے کہ وہ امورِ مابعد طبعیات کے متعلق، کائنات، زندگی اور آخرت کے متعلق خود اپنا نقطۂ نظر وضع کرے۔ اس کو آزادی حاصل ہو کہ زندگی کی غایت اور کائنات کی حقیقت کے متعلق جو چاہے عقیدہ اختیار کرے۔ اس پر کسی قسم کی پابندی نہ لگائی جائے۔ اسے کسی خاص مذہب اور اخلاق کی تعلیم نہ دی جائے بلکہ وہ اپنا عقیدہ اور مذہب خود وضع کرے۔ مغربی نظامِ تعلیم میں آزادی ایک بہت بڑی قدر ہے، جس کے حصول کے لیے افراد کو تیار کیا جاتا ہے۔ اہلِ مغرب کے اس نظریہ کے تحت اس بات کا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ افراد کو معاشرے میں مکمل آزادی حاصل ہو۔ مذہب، اخلاق اور معاشرتی ضابطوں کو یہ لوگ قید اور بندش سے آزاد کرتے ہیں۔ بلاشبہ آزادی انسان کا بنیادی حق ہے اور آزادی کے بعد ہی انسان اپنے معاشرتی اور اخلاقی ضابطے بطریقِ احسن انجام دے سکتا ہے جبکہ جبر و ستم میں فرد کی شخصیت کی تعمیر نہیں ہو سکتی اور انسانی شخصیت ٹھٹھر کے رہ جاتی ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ آزادی کا تصور انسان کو مذہب نے دیا تھا۔ لیکن جدید مغربی علوم میں آزادی کا تصور اس کے بالکل اُلٹ ہے اور اس کے مخالف ہے۔ جیسا کہ روسو کہتا ہے کہ انسان کو آزاد پیدا کیا گیا لیکن وہ آج کل ہر جگہ پابندِ سلاسل ہے۔ اخلاق سے بیزار مغربی معاشرے نے آزادی کے اصل تصور کو مسخ کر دیا اور مغرب میں آزادی کا تصور فطری حدود سے تجاوز کر گیا۔ آزادی کے ڈانڈے مادر پدر آزادی سے جا کر مل گئے۔ مذہب اور اخلاق سے بیزار اور بے نیاز ہو کر آزادی کا عموماً مظاہرہ اس انداز میں ہوتا ہے کہ فرد اور معاشرہ دونوں شرفِ انسانیت کی بلند سطح سے گر کر حیوانیت اور بہیمیت کی سطح تک پہنچ جاتے ہیں۔ اخلاقی قانون توڑنے کے بعد خود غرضی اور جنگل کا قانون جس کی لاٹھی اس کی بھینس نافذ ہو جاتے ہیں۔ نتیجتاً کشمکش، تصادم اور جنگ و پیکار رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے مغربی معاشرے کو جنگ و پےکار سے کسی صورت مفر نہیں ہے۔ واقعیت پسندی بھی مغربی نظامِ تعلیم کی ایک اہم قدر ہے۔ مسئلہ ارتقاء کے زیرِ اثر انسان ایک حیوان قرار پایا، پس ذرا اعلیٰ درجے کا حیوان۔ کارل مارکس نے اس حیوان کے لیے سب سے محرکِ عمل شکم پُری کو قرار دیا۔ فرائڈ نے اس حیوان کے لیے سب سے زبردست محرکِ عمل جذبہ شہوت رانی کو قرار دیا۔ جدید مغربی علوم کی ایک اور معروف قدر زمانہ پرستی ہے۔ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے قانون بقائے اصلح سے اس کو مزید تقویت ملی۔ جو قومیں مادی دوڑ میں آگے ہیں وہ زیادہ کامیاب اور بامراد ہیں۔ دوسری طرف جو قومیں مادی کشمکشِ حیات میں پیچھے رہ گئی ہیں۔ وہ ناکام اور شکست خوردہ ہیں۔ یہاں سے ہر جدید کے لیے برتر اور ہر قدیم کے لیے بدتر ہونے کی

دلیل فراہم کی گئی اور اسی کو کلیہ مان لیا گیا کہ ہر جدت خیر ہے اور ہر قدامت شر ہے۔ اسی نہج پر غور و فکر کرتے ہوئے مغربی ماہرینِ تعلیم نے جو فلسفہ پیش کیا اس کے مطابق کسی شے کو دوام نہیں، دوام صرف مادیت کو ہے۔ وطن پرستی اور قومیت پرستی بھی مغربیت کی اہم قدریں ہیں اور قدروں پر مغربی نظامِ تعلیم کی عمارت کھڑی ہے۔ قوم پرستی کی اصل روح خود غرضی ہے۔ خود غرضی انسان کے خمیر میں شامل ہے۔ اس کو اگر پھلنے پھولنے کا موقع دیا جائے تو یہ حد سے باہر ہو جاتی ہے۔ فرد، قبیلہ، خاندان، قوم اور وطن سب خود غرضی کے پھیلتے ہوئے دائرے میں ہیں۔ خود غرضی کا خاصہ تصادم اور پے کار ہے۔ قومیت کا جذبہ نفرت کی غذا کھا کر پلتا ہے۔ مغربی درسگاہوں میں قومیت پرستی کی تعلیم دی جاتی ہے اور وطن پرستی کو پروان چڑھایا جاتا ہے۔ مغربی مفکرینِ تعلیم نے انسانی زندگی کا مقصدِ اعلیٰ، محرکِ اعلیٰ اور غایت الغایات افادیت پرستی کو متعین کرنے میں بڑی مغزماری کی ہے۔ لیکن حسبِ عادت وہ کسی ایک نقطہ پر متفق نہیں ہو سکے۔ فلسفہ افادیت نے زر پرستی کو فروغ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج مغربی دنیا میں زر پرستی سب سے اہم قدر ہے۔ مغرب میں مذہب، اخلاق اور آخرت کے انکار کے بعد انسانی زندگانی کے لیے محرکِ عمل اب صرف اور صرف اغراض اور مفادات ہو کر رہ گئے ہیں۔"[۲۷]

جدید مغربی علوم پر کی گئی مسلم مفکرینِ تعلیم کی تنقیدات سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱۔ جدید مغربی علوم کا ایک پہلو ان علوم کا قدیم یونانی دور سے نشاۃِ ثانیہ تک اور اب موجودہ دور میں سیکولر اور متضاد فلسفوں پر انحصار ہے۔ مغربی علوم کا فلسفہ، تعلیم کو معاشرے میں مطلوب بہترین شخصیات کے مقاصد اور تصورات کو بیان کرنے کی بجائے کوئی ٹھوس فلسفہ بیان نہیں کر سکا اور متضاد فلسفوں کی انتشاری کیفیت کے حتمی مقاصد کے حصول کے بغیر مختلف قسم کے نظامِ تعلیم پیدا کر دیئے ہیں، جدید مغربی علوم کے بیشتر مقاصد انسانی ہونے کی بجائے دنیاوی، افادی اور عملی ہیں۔

۲۔ جدید مغربی علوم کا دوسرا پہلو عملِ تعلیم میں اقدار کی کم اہمیت ہے۔ یہ رجحان زیادہ مضبوط ہے کہ تعلیم کو محض ایک تجرباتی علم قرار دیا جائے، جو اقدار سے آزاد اور غیر جانب دار ہو۔ اس رجحان نے علمِ تعلیم کی اساس میں حقیقی ترقی کے عمل کو متاثر کیا ہے اور تجرباتی پہلو پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ یہ حدود سے تجاوز کر گیا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ایسے افراد پیدا ہو رہے ہیں کہ جن کی نظر میں اخلاقی اقدار کی کوئی اہمیت نہیں۔

۳۔ جدید مغربی علوم نے بالعموم انسانی شخصیت کے روحانی پہلوؤں کو نظر انداز کیا ہے اور ساری اہمیت دوسری ضروریات کو دی ہے۔ یہ زندگی سے لادینی نظریات سے مطابقت کی کوشش میں لادینی تعلیم دے کر فرد کی شخصیت کے ساتھ بے انصافی کرتا ہے، اور اس کے نقصان کا سبب بنتا ہے۔ اس سے مادہ پرستانہ شخصیت پیدا ہوتی ہے، جو مذہبی اور روحانی ضرورت کو دنیا میں انسانی زندگی کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل کہنے کی بجائے محض مطالعہ کرنے پر زور دیتی ہے۔ بلاشبہ یہ نقطۂ نظر مغرب میں مذہب اور سائنس کے درمیان کشمکش کی معلوم تاریخ کے تناظر میں ہے۔

۴۔ جدید مغربی علوم پر کی گئی تنقیدات کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ علوم اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ تعلیمی مسائل کے حل کے لیے اعداد و شمار اور تجربات کا ضرورت سے زیادہ استعمال کیا جائے۔ ایک فرد کے سیکھنے کا عمل تدریس کی بہتر اور موثر حکمتِ عملی، طریقے اور تدریس کے تکنیکی ذرائع سب کے بارے میں تعلیم ایک افرادی زاویہ بھی دیتی ہے۔ لیکن مغرب میں تعلیمی مسائل کے لیے اقداری پہلو پر تجرباتی طریقوں کا اطلاق کیا گیا ہے، اس سے عدم توازن کی کیفیت پیدا ہوئی ہے اور کئی تعلیمی مسلمہ اصول و ضوابط مسخ ہو گئے ہیں۔

۵۔جدید مغربی علوم نے تعلیم کو واضح ایک معاشی مسئلہ قرار دیا ہے اور تعلیم کو سرمایہ کاری قرار دے کر معاشی ترقی کے تقاضے پورے کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔اس بات میں کسی قسم کی کوئی دو رائے نہیں کہ تعلیم ایک بہت بڑی سرمایہ کاری ہے اور معاشرہ کی معاشی ترقی کا براہِ راست انحصار تعلیم پر ہے لیکن مغرب نے اس معاملے میں مبالغہ سے کام لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ نصابات غیر متوازن ہو گئے ہیں اور مکمل اور مربوط شخصیات بنانے کے لیے جو عمومی کورسز مطلوب ہیں، وہ اب نہیں کروائے جاتے۔

۶۔جدید مغربی علوم پر کی گئی تنقیدات اس حقیقت کی غماز ہیں کہ جدید مغربی علوم میں استاد کی حیثیت تعلیم اور کردار کی تشکیل کے لیے قابلِ تقلید نمونہ نہیں۔استاد کو ایک عالم کی شخصیت اور استاد کے مسلمہ معروف ماڈل کا نمائندہ ہونا چاہیے، لیکن جدید مغربی علوم میں استاد کے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔مغربی نظامِ تعلیم میں استاد صرف علم پھیلانے والا ہے، وہ ایسا معلم نہیں ہے جو اپنے طلبہ کی سیرت و کردار اور ان کے اندر اقدار کی نشوونما کا بھی ذمہ دار ہو۔

مبحث ثالث: جدید مغربی علوم سے اخذ و استفادہ کے بارے میں مسلم مفکرین کی آراء

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو علم کی نعمت عطا فرمائی، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ علم کے اطلاق میں انسانی غلطیوں، طبقاتی امتیازات اور ذاتی دلچسپیوں کی ملاوٹ ہو گئی۔اس لیے ضرورت اس امر کی تھی کہ ان تمام اندھیروں سے علم کو نکال کر وحی کیے گئے علم کی روشنی میں نئے سرے سے اس کی تجدید کی جائے کیونکہ علم بالوحی ہی انسان کی حقیقی فلاح کا ضامن ہو سکتا ہے۔علوم کی اسلام کاری کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ علم کو اس طرح کر دیا جائے کہ یہ صرف مسلمانوں کی حد تک محدود ہو جائے بلکہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور اس کی عالمگیریت کا تقاضا ہے کہ علم کی روشنی ہر انسان تک پہنچے۔گویا ہر طرح کا علم اس دنیا میں موجود ہے اور آئے روز علوم میں نت نئی چیزیں دریافت ہو رہی ہیں۔علوم میں مختلف اقسام کی جدت آ رہی ہے اور متنوع قسم کے مضامین اور عنوانات دریافت ہو رہے ہیں۔ عصری مغربی علوم اپنی بنیادوں کے لحاظ سے سیکولر ہیں۔سیکولر بنیادوں پر استوار ہونے کے باوجود ہماری جامعات اور دیگر تعلیمی اداروں میں ان علوم کی تدریس جاری ہے۔یہ حقیقت ہے کہ مسلم دنیا نے ان علوم سے اخذ و استفادہ کیا ہے اور موجودہ دور میں ان علوم سے اخذ و استفادہ کو ناگزیر سمجھا جا رہا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان جدید علوم کی تدریس فخر کے ساتھ جاری ہے تو بے جا نہ ہوگا۔جدید مغربی علوم سے استفادہ کی مختلف صورتیں ہیں، ان علوم سے استفادہ کے متعلق مسلم مفکرینِ تعلیم نے جو آراء دی ہیں، جن کا ذیل میں خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

جدید مغربی علوم سے استفادہ کی مختلف صورتیں درج ذیل ہیں:

الف۔جدید مغربی علوم سے استفادہ جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو اس کی اس استفادہ کی تحدیدات کیا ہیں؟

ب۔جدید مغربی علوم سے اگر استفادہ جائز ہے تو ان علوم میں سے کون سے علوم لینے چاہییں اور کون سے نہیں؟ کون سے علوم مکمل لینے چاہییں اور کون سے علوم جزوی طور پر؟

ج۔اگر ان علوم سے استفادہ نامناسب ہے تو پھر ان علوم کو کس طرح سے اسلامائز کیا جائے اور ان کی اسلام کاری کے متعلق مفکرین کی کیا آراء ہیں؟

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ جدید مغربی علوم سے استفادہ جائز ہے یا ناجائز؟ تو یہ بات واضح ہے کہ جدید مغربی تہذیب نے گزشتہ کئی صدیوں میں فکری ارتقا کا جو سفر طے کیا ہے، بلاشبہ اس نے متعدد اسباب سے اسے مذہب اور روحانیت سے دور کر دیا ہے اور وہ بلاشبہ اس وقت دنیا میں ایک لادینی تہذیب کا علم بردار ہے۔یہی لادینیت اور الحادیت جدید مغربی علوم کی اساسیات ہیں۔تاہم اس

کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ انسانی ذہن کو سیاست، مدن اور تنظیم معاشرت کے ضمن میں عملی نوعیت کے جو بہت سے سوالات ہمیشہ سے درپیش رہے ہیں، ان کے حل کے لیے مغرب نے کئی مفید تصورات اور تجربات سے بھی دنیا کو روشناس کرایا ہے۔ اگرچہ اس معاملے میں ابھی بہت سی بہتری کی گنجائش موجود ہے لیکن پھر بھی اُصولی طور پر ان تصورات کی اہمیت اور اجتماعی انسانی تعلقات کی تنظیم کے ضمن میں ان کی افادی صلاحیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اسلامی فکر بھی یہی ہے کہ ان علوم سے مفید اور مثبت چیزوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور اہلِ علم کوئی بھی ہو تو اس سے علم کا حصول ممکن ہے۔ مثال کے طور پر جب غزوۂ بدر میں مشرکینِ مکہ قیدی بن کر لائے گئے تو ان پر آزادی حاصل کرنے کی دو شرائط عائد کی گئیں کہ یا تو وہ فدیہ دے کر آزادی حاصل کرلیں اور ان میں سے جو آزادی کے حصول کے لیے فدیہ کی استطاعت نہیں رکھتے انہیں کہا گیا کہ ان میں سے جو پڑھے لکھے ہیں، وہ دس دس مسلمانوں کو پڑھنا لکھنا سکھا کر آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔[۱۸]

ہمارے ہاں المیہ یہ ہے کہ جدید مغربی علوم کا حصول سرے سے کفر کے مشابہ سمجھا جاتا ہے۔ مغربی غلبے کے ردعمل میں اور اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے بعض تاریخی تجربات کی فوقیت ثابت کرنے کے جذبے کے زیرِ اثر مسلم فکر میں ایک بڑا نمایاں رجحان سرے سے مذکورہ تصورات و تجربات کی نفی کر دینے کا دکھائی دیتا ہے جو ایک غیر متوازن رویہ ہے۔ کوئی بھی مفید اور اچھا تصور انسانیت کا مشترک سرمایہ ہوتا ہے، چاہے اس کا ابتدائی تعارف کسی بھی گروہ کی طرف سے سامنے آئے۔ انسانی تمدن کا ارتقاء اسی طرح باہم اخذ واستفادہ سے ہوتا ہے اور مسلم تہذیب نے بھی اپنے دورِ عروج میں کبھی دوسری قوموں، تہذیبوں اور معاشروں سے اچھے اور مفید تصورات کو لے لینے میں کبھی کوئی باک محسوس نہیں کیا۔

سید حسین نصر اس معاملے میں لکھتے ہیں کہ جدید دور کی بہت سی تحقیقات اور ایجادات جدید مغربی علوم اور مغربی سائنسدانوں کی رہینِ منت ہیں۔ اب کوئی مسلمان ملک یا فرد یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ان سے استفادہ نہیں کرے گا یا کوئی حکومت یہ نہیں کہہ سکتی کہ وہ ان چیزوں کو استعمال نہیں کرے گی۔ بلکہ اگر کسی شخص کو ملیریا ہو جائے تو وہ بھی اہلِ مغرب کی ادویات ضرور استعمال کرے گا۔ جو کام کرنے کا ہے وہ یہ ہے کہ جدید مغربی علوم سے استفادہ کیا جائے اور ساتھ ساتھ اس بات پر زور دیا جائے کہ ہمیں سائنسی ترقی میں دوسری اقوام سے سبقت لینی ہے۔[۱۹]

ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی جدید مغربی علوم کی مکمل تردید کے قائل نہیں بلکہ وہ ان علوم سے استفادہ اور جدید علوم کو اصناف، مناہج، مسائل اور موضوعات میں تقسیم کرتے ہوئے ان پر کامل دسترس حاصل کرنے پر زور دیتے ہیں۔[۲۰]

ڈاکٹر طٰہٰ جابر العلوانی بھی اسلامی اور مغربی علوم میں توازن قائم کرنے کے قائل ہیں۔ علوانی کو ان لوگوں سے اختلاف تھا جو یہ کہتے تھے کہ مغربی علوم کو سرے سے رد کر دیا جائے کیونکہ یہ مذہب اور خدا سے دوری کا سبب بن رہے ہیں۔ علوانی کا کہنا ہے کہ اگرچہ مغربی علوم نے سائنس اور مذہب وحکمت میں مفارقت پیدا کی ہے اور ان علوم کی وجہ سے خود مغرب میں بھی اضطراب اور بے چینی پیدا ہوئی ہے، لیکن انہوں نے اس ضرورت پر زور دیا کہ مغربی تہذیب اور اس کے افکار و نظریات اور مناہج پر تنقیدی نظر ڈالی جائے اور مغربی مناہجِ فکر کو علم وآگہی کی اسلامی روح اور رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔

یہ بات طے ہو جانے کے بعد کہ جدید مغربی علوم میں سے مستحسن اور انسانیت کے لیے مفید علوم سے استفادہ جائز ہے، تو اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سے علوم ہیں جن سے استفادہ کرنا جائز ہے اور وہ کون سے ہیں جنہیں نہیں لینا چاہیے، اور ایسے علوم کون سے ہیں جن میں ایسے عناصر موجود ہیں جن سے استفادہ تو ناگزیر ہے لیکن ان سے استفادہ سے پہلے ان علوم کو اسلامی رنگ میں ڈھالنے کی

ضرورت ہے۔ایسے علوم جو غیر نافع، الحادی یا تخریبی ہوں ان سے استفادہ نامناسب اور انسانیت کے لیے نقصان کا موجب ہے۔ لہٰذا ان علوم سے احتراز بہتر ہے۔ جب کہ ایسے علوم وفنون جو انسانیت کے لیے فلاح اور آسانی کی وجہ ہیں ان سے استفادہ کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری ہے، لیکن دوسری طرف جدید مغربی علوم میں جو الحاد والے پہلو ہیں، لیکن ان کا حصول ضروری ہے، ان سے استفادہ کرنے سے پہلے انہیں اسلامی رنگ میں رنگنے کی ضرورت ہے۔ مولانا سید ابوالحسن ندویؒ لکھتے ہیں:

"مغرب سے علم وصنعت، ٹیکنالوجی، سائنس اور ان علوم وتحقیقات میں جن کا تعلق تجربہ، حقائق وواقعات اور انسانی محنت سے ہے، جو آخری فراخ دلی سے استفادہ کیا جائے، پھر ان کو ان مقاصد کے لیے اپنی خداداد ذہانت اور اجتہاد کے ساتھ اعلیٰ مقاصد کا تابع بنایا جائے صحیفہ نے ان کو عطا کیے، اور جن کی وجہ سے ان کو خیرِ امت اور آخری امت کا لقب ملا ہے۔"[21]

مبحث رابع: جدید مغربی علوم کی اسلام کاری میں مسلم مفکرین کی آراء

اسلامی تہذیب کی ابتدائی صدیوں میں اسلامی تعلیم دوسرے سیاسی، اجتماعی علوم اور قانون کی طرح خوب پھلی پھولی۔ چند صدیوں قبل اجتہاد کا دروازہ بند کیے جانے اور اسلامی دنیا پر استعماریت اور نوآبادیت کے چھا جانے کی وجہ سے اسلامی تعلیم کو زوال ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی علوم کے حد سے زیادہ اخذ واستفادہ کی بدولت مغربی طور طریقے اختیار کرنے کے عمل کا آغاز ہوا، اور جدید مغربی علوم اور مغربی تہذیب نے مسلمانوں کو تعلیم کے میدان میں اپنے تشخص سے محروم کر دیا۔ اس لیے احیائے اسلام کے کسی بھی عمل میں پہلے مغربی اثرات کو زائل کیا جانا ضروری ہے اس کے بعد بحیثیت مجموعی تمام علوم اور خصوصاً جدید مغربی علوم کی اسلام کاری ناگزیر ہے۔

سید نقیب العطاس جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے بہت بڑے علمبردار ہیں۔ انہوں نے جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کو وقت کی اہم ترین ضرورت قرار دیا۔ جدید علوم کی اسلام کاری کی تعریف میں وہ اس طرح رقمطراز ہیں:

"The liberation of man first from magical, mythological, animistic, national-cultural tradition, and then from secular control over his reason and his language, further he explains that Islamization involves firstly the Islamization of languages. Language, thought and reason are closely inter connected and are indeed interdependent in projecting to man his world view or vision of reality. Thus the Islamization of language brings about the Islamization of thought and reason. This fact is demonstrated by the Holy Qur'an itself when it was first revealed among the Arabs."[22]

العطاس اسلامی و مغربی، دونوں علوم کے امتزاج پر گفت گو کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ دونوں علوم انسانی زندگی کے لیے بہت اہم ہیں، اس لیے دونوں میں مطابقت پیدا کرنا ضروری ہے۔ مغرب کا دنیا پر یہی ظلم رہا کہ اس نے ہر دو علوم کو علیحدہ علیحدہ کر دیا، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا فساد اور انتشار کی آماجگاہ بن گئی۔ اسلام نہ صرف دونوں علوم کے درمیان مطابقت، امتزاج اور ہم آہنگی پر زور دیتا ہے بلکہ دونوں کو ایک دوسرے کا معاون قرار دیتا ہے۔ اگر دونوں میں وہ مطابقت اور ہم آہنگی نہ رہے جس کا اسلام پرچار کرتا ہے تو انسانی فکر پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ نقیب العطاس کا کہنا ہے کہ اگر علم وحیِ الٰہی کے تابع نہ رہے تو یہ انسان کو گمراہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی فکر کو بھی منتشر کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں انسان تعمیر کی بجائے تخریبی سرگرمیوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید مغربی علوم کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے۔

پروفیسر سید سلیم احمد تعلیم کی اسلام کاری اور تعلیم کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پاکستان کو اگر نظریاتی مملکت کی حیثیت سے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنا ہے تو اسے اولین اہمیت اس کام کو دینا پڑے گی اور اپنے پورے وسائل کے ساتھ ایسے ادارے قائم کرنا پڑیں گے جو ایک طرف ایسے لوگوں پر مشتمل ہوں، جو مذہب کا صحیح اور مستند علم رکھتے ہوں اور دوسری طرف ایسے لوگوں پر مبنی ہوں جو جدید ذہن کے مسائل کو سمجھتے ہوں۔ ان دونوں کے اشتراک سے اسلام کی ایسی تشریح کی جا سکے گی جو جدید ضروریات کے مطابق مذہب کو نئے ذہن کے لیے، نئی زبان اور نئے طریقِ استدلال کے ساتھ ہم آہنگ کر سکے۔ یہ کام جتنا زیادہ عمیق ہوگا، اتنی ہی آسانی سے ہمارے نظامِ تعلیم کی بنیاد بن سکے گا۔''[23]

سید نقیب العطاس اس نظریہ کے حامل ہیں کہ دینی اور دنیاوی علوم کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرنے کی بجائے دونوں علوم کو موزوں امتزاج کے ساتھ پڑھایا جائے۔ علم ایک اکائی ہے اس لیے ضروری ہے کہ علم کو ایسے ہی وحدت سے پڑھایا جائے۔ جدید مغربی علوم کو تصورِ ذہن، تصورِ انسان، تصورِ الٰہ، تصورِ علم و حکمت، تصورِ عدل اور تصورِ ادب کو نصابِ تعلیم میں موزوں جگہ دیتے ہوئے اسلامی تناظر میں مدوّن کر لیا جائے اور نصابِ تعلیم میں تصورِ توحید کو مرکزی حیثیت دی جائے اور دیگر تمام تصورات کو اسی تصورِ توحید کے تابع کیا جائے۔ سید نقیب العطاس کے نزدیک جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جدید عصری علوم کو اختیار کر کے ان علوم کی محض پیوند کاری کی جائے اور اور اصلاح کا کام لیا جائے اور نہ ہی یہ کام کیا جائے کہ جدید مغربی علوم کو اسلامی نظامِ تعلیم میں داخل کر لیا جائے۔ اگر ایسا کیا گا تو یہ فرد کے ذہن کو سلجھانے یا مطمئن کرنے کی بجائے انتشار اور فساد کا باعث بنے گا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اجنبی افکار اور عناصر کا نصابِ تعلیم سے خاتمہ کیا جائے، تب ہی جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کا کام شروع کیا جا سکے گا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جدید مغربی علوم کی تدوین پر زور دیا اور فرمایا کہ چونکہ جدید مغربی علوم فرد کو مادہ پرستی کی طرف راغب کر رہے ہیں اور ان میں نہ ہی خدا کے لیے کوئی جگہ ہے اور نہ ہی یہ فرد کے اندر آخرت کی جوابدہی کا احساس پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ان علوم کی اسلامی اصولوں پر جدید تشکیل و تدوین کی جائے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا کام یہ کیا جائے کہ ان جدید مغربی علوم و فنون پر نظرِ ثانی کی جائے۔ آپ جدید مغربی علوم کو جُوں کا تُوں لینے کے بھی سخت خلاف تھے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا خیال تھا کہ ان تمام جدید مغربی علوم کو تنقید کے ساتھ پیش کیا جائے اور یہ تنقید خالص اسلامی نقطۂ نظر سے ہو، اور ان علوم میں سے تمام ناقص اجزاء کو چھوڑ دیا جائے اور صرف کارآمد حصوں کو لیا جائے۔ اگر چھوڑ دیے جانے والے علوم کے اجزاء سے استفادہ ناگزیر ہو تو پہلے انہیں اسلامی اصولوں کے سانچے میں ڈھالا جائے۔

مولانا ابوالحسن ندویؒ جدید مغربی علوم کی اسلامی تشکیل کی ضرورت اور ان علوم کی اسلام کاری کی حکمتِ عملی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اس طرح رقمطراز ہیں:

"عالمِ اسلام کے لیے ضروری ہے کہ وہ جدید مغربی علوم کی اسلام کاری اس طرح سے کرے جو اس کی روح اور اس کے پیغام سے مطابقت رکھتی ہو۔۔۔ اگر عالمِ اسلام کی یہ خواہش ہے کہ نئے سرے سے زندگی شروع کرے اور غیروں کی غلامی سے آزاد ہو، اور اگر وہ عالم گیر لیڈر شپ حاصل کرنا چاہتا ہے، تو صرف تعلیمی خود مختاری ہی نہیں بلکہ علمی لیڈر شپ بھی بہت ضروری ہے، اور یہ کوئی آسان کام نہیں۔ یہ مسئلہ بہت گھمبیر اور گہری غور و فکر کا محتاج ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وسیع پیمانے پر تصنیف و تالیف اور علوم کی تدوینِ جدید کا کام شروع کیا جائے۔ اس کام کے سربراہ کار عصری علم سے ذاتی واقفیت اور گہری بصیرت رکھتے ہوں جو تحقیق و تدوین کے درجہ تک پہنچتی ہو۔ اور اس کے ساتھ اسلام کے اصل سرچشموں سے پورے طور پر سیراب اور اسلامی روح سے ان کا قلب و نظر معمور ہو۔ یہ وہ

مہم ہے جس کی تکمیل کسی جماعت یا انجمن کے لیے مشکل ہو گی، یہ اسلامی حکومتوں کا کام ہے۔ اس مقصد کے لیے اسے منظّم جماعتیں اور مکمل ادارے قائم کرنے ہوں گے اور ایسے ماہرینِ فن کا انتخاب کرنا ہو گا جو ہر فن میں دستگاہ رکھتے ہوں، اور ایسا نصاب تعلیم تیار کریں جو ایک طرف کتاب و سنت کے محکمات اور دین کے ناقابلِ تردید حقائق پر مشتمل ہو اور دوسری طرف مفید عصری علوم اور تجزیہ و تحلیل پر حاوی ہو۔ وہ مسلمان نوجوانوں کے لیے علوم عصریہ کی از سر نو تدوین کریں جو اسلام کے اصولوں اور اسلام کی روح کی بنیاد ہو۔ اس میں ہر ایسی چیز ہو جو نوخیز طبقہ کے لیے ضروری ہو اور جس سے وہ اپنی زندگی کی تنظیم کر سکے اور اپنی سالمیت کی حفاظت کر سکے۔ وہ مغرب سے مستغنی ہو اور مادی و دماغی جنگ میں اس کے مقابلے میں آسکے۔"[۲۴]

جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے طریقہ کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر طہٰ جابر العلوانی لکھتے ہیں کہ

"Islamization of knowledge is not a cosmetic addition of religious terminology and sentiment to studies in social sciences and humanities or the grafting of relevant Qur'anic verses on to the sciences or disciplines intended for Islamization. Islamization of knowledge may be viewed as a methodological and epistemological rearrangement of the sciences and their principles".[25]

ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی اسلامائزیشن آف نالج کی تعریف اس طرح کرتے ہیں؛

“the task of Islamizing knowledge which in concrete term means to Islamize disciplines or, better to produce university-level textbooks, is among the most difficult to realize because it involves recasting some twenty disciplines in accordance with Islamic visions.”

یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو جدید مغربی علوم سے اخذ و استفادہ کرنے کی ممانعت نہ تھی، لیکن مسلمان جدید مغربی علوم سے جب حد سے زیادہ متاثر اور مرعوب ہوئے تو اس سے درج ذیل مسائل سامنے آئے:

الف۔ مسلمانوں کا تعلیمی نظام اور یونیورسٹی تعلیم کی ثنویت ایک طرف روایتی اسلامی نصابات ہیں، جنہیں تبدیل نہیں کیا گیا اور یہ نصابات دورِ جدید کی ضروریات کو پورا نہیں کرتے۔ دوسری طرف لادینی مغربی نظریات ہیں جو مسلمان طلباء کے ذہنوں کو دوسرے مذاہب کے خلاف غلط سمت لے جاتے ہیں۔

ب۔ ہر سطح کے مسلمان استاد بشمول ہماری یونیوسٹیاں خاص طور پر مغرب زدہ ہیں۔ نوجوان نسلوں کو مغربی طور طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ در حقیقت مسلمان اساتذہ تعلیم کے میدان میں ہمارے پیسے سے مغربی مقاصد پورے کر رہے ہیں۔ علوم کی اسلامی تشکیل کے مطابق مسلم دنیا کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کسی اسلامی تصور یا اسلامی مقاصد سے تحریک حاصل نہیں کرتے۔ یقیناً مسلمانوں کی تعلیم کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے۔

ج۔ مسلمانوں کے تعلیمی نظام میں مسلم اُمہ کے جدید تعلیمی مسائل کے بارے میں نظریات، اسلامی تعلیم کے لیے ہر سطح پر مناسب درسی کُتب اور تعلیمی لوازمات کی شدید کمی ہے۔

د۔ مغربی جامعات میں ہمارے نوجوانوں کو جو اسلامی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے، وہ بالکل سطحی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ مغربی تناظر میں اور مغربی علوم کے ماہر اساتذہ کے ذریعے ہی دی جاتی ہے، جو تعلیم کے بعض اوقات اہل بھی نہیں ہوتے۔ ایسے اساتذہ اسلام کے

اخلاقی نظام کی پابندی یا اسلام کے لیے کسی بھی جذبہ سے عاری ہوتے ہیں۔ ہماری مسلم جامعات کو یہ ذمہ داری سنبھالنی چاہیے تھی اور مسلمان ماہرینِ تعلیم تیار کر کے اس حصار کو توڑنا چاہیے تھا لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہو سکا۔

مبحث خامس: جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کی ضرورت، ترجیحات اور اسلام کاری کے طریقے اور تنظیم

اگرچہ تمام ادوار میں فکرِ انسانی کو فکری انتشار اور بحرانوں کی وجہ سے کئی مسائل اور چیلنجز کا سامنا رہا ہے لیکن ان سب میں شاید سب سے سنجیدہ اور بُرے اثرات کے حامل جس تباہ کن چیلنج کا اب سامنا ہے، وہ مغربی تہذیب کی طرف سے دیا گیا چیلنج ہے۔ اس چیلنج کی نوعیت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ عظیم ترین چیلنج غیر محسوس طریقے سے اُبھرا ہے اور عالمگیر نوعیت کا ہے۔ دراصل جو چیلنج ہمیں اس وقت درپیش ہے وہ علوم کو مغربیت سے آزاد کروانے یا جدید مغربی علوم کی اسلامائزیشن کا چیلنج ہے۔ جدید مغربی علوم میں انتشار، بے عدلی اور ملاوٹ کی کیفیت در آنے کی وجہ سے اس علم کی ماہیت، طبیعت اور فطرت خود انسان کے لیے ایک مسئلہ بن کر رہ گئی ہے۔ جدید مغربی علوم انسان کی زندگی میں عدل و انصاف اور امن و سلامتی لانے کی بجائے فکری انتشار اور فکری فساد کا موجب بنے ہیں۔ جدید مغربی علوم کی بنیاد تشکیک پر ہے اور اسی تشکیک کو مغرب نے سائنسی علوم کا نام دے لیا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ یہ علوم مذہب سے متصادم ہو گئے ہیں اور ان علوم میں بہت سی ایسی باتیں شامل ہو گئی ہیں جنہیں ان کی اصلی حالت میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔

اگر موجودہ صورتِ حال جاری رہتی ہے تو اندیشہ ہے کہ ہم اپنا تشخص کھو بیٹھیں، ہماری نسلیں اسلام سے بے تعلق ہو جائیں اور امّتِ مسلمہ کی حیثیت سے کبھی متحد اور تخلیقی صلاحیت کی حامل نہ ہوں۔ اگرچہ زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی تشکیل کی ضرورت ہے، لیکن مغربی علوم و فنون میں وہ عناصر جو کہ اسلام کے مخالف اور مکمل طور پر سیکولر نظریات پر مبنی ہیں، درج ذیل وجوہ کی بنا پر ان کی اسلام کاری کو بالخصوص ترجیح ملنی چاہیے:

الف۔ اگر ہم اپنے اسلامی تشخص کو بکھر جانے سے بچانا چاہتے ہیں اور اپنے تہذیبی ورثے پر فخر کرنا چاہتے ہیں، تو اس کے لیے اسلامی تعلیم کے ساتھ ساتھ مغربی علوم و فنون کی بھی سخت ضرورت ہے۔ لیکن جدید مغربی علوم کے وہ عناصر جو اسلام سے متصادم ہیں، کی اسلام کاری کی ضرورت ہے۔ اسلامی تعلیم کا سرچشمہ اسلامی اقدار ہیں اور یہ اسلامی تہذیب کی آفاقیت پر مبنی ہے۔

ب۔ تعلیم وہ عمل ہے، جس کے ذریعے ایک قوم اپنے نوجوانوں کی آئندہ نسل کی شخصیات کی تعمیر کرتی ہے۔ اس لیے ہمیں امت کے لیے اسلامی مستقبل مطلوب ہے تو پھر اسلامی تعلیم بھی ناگزیر ہے۔

ج۔ ہماری موجودہ نسلیں مغرب زدہ تو ہیں ہی، لیکن وہ مغربی تہذیب کے میدان میں بھی غیر تخلیقی اور بانجھ ہیں۔ مسلمان طلباء کو مغربی جامعات میں نہ ہی مغربی تعلیم درست طور پر دی گئی ہے اور نہ ہی اسلامی تعلیم۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تعلیم اس کے اپنے تہذیب و تمدن کے تناظر میں اور اس کے نظامِ اقدار کے مطابق ہو۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کو دوبارہ تخلیقی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کے لیے اور عالمی تہذیب اور اُمّتِ مسلمہ کی زندگی کو اسلامی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی تعلیم اسلامی تصورِ حیات اور اقدار سے ہم آہنگ ہو۔ اس سلسلہ میں مغربی علوم کے وہ عناصر جو اسلام سے ہم آہنگ نہیں ہیں اور ان میں سیکولرازم کی آمیزش اس قدر ہے کہ وہ اسلام سے متصادم ہیں ان کی اسلام کاری وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کی ترجیحات

جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے تناظر میں درج ذیل ترجیحات کا تعین ضروری ہے:

الف۔ مسلمان اساتذہ اور تعلیمی عملے کو اسلامی قالب میں ڈھالنا ضروری ہے کیوں کہ اسلامی نظامِ تعلیم میں استاد کا کردار محتاج بیان نہیں ہے۔ جدید مغربی علوم کی اسلامائزیشن بہت زیادہ اہمیت اور نزاکت کا حامل ہے۔ جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے عمل میں اساتذہ کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کو اوّلین ترجیح دی جانی چاہیے۔

ب۔ دوسری ترجیح کے طور پر تعلیمی نصاب کی اسلام کاری کی جائے۔ نصاب میں نہ صرف شریعت اسلامیہ کے علوم جن میں قرآن، حدیث، فقہ اور اصولِ فقہ شامل ہیں،

جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کی تحریک کے لیے مثبت پہلو

جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کی تحریک کے لیے مثبت پہلوؤں سے مراد وہ تمام مثبت محرکات ہیں جو اسلام کاری کے عمل میں اس مقصد کے حصول میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ یہ مثبت پہلو مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں:

۱۔ جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے عمل میں قرآن اور حدیث بنیادی مصادر ہیں۔

۲۔ تاریخ اسلام کا وسیع علم

۳۔ اسلامی تعلیمی اداروں کی ابھرتی ہوئی تحاریک

۴۔ بیشتر اسلامی تنظیموں کی طرف سے تحقیقی مجلات اور کتب کی مسلسل اشاعت

۵۔ اسلام کاری کے بیشتر پہلوؤں پر قومی اور بین الاقوامی سطح پر ہونے والی کانفرنسیں

۶۔ جدید علوم کی اسلام کاری اور اسلامی تعلیم کے لیے *Center of Islamization* کا قیام

جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے عمل میں کمزوریاں

درج ذیل پہلو جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کی راہ میں رکاوٹ کا سبب بنتے ہیں جن سے عہدہ براہ ہو کر ہی جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے عمل کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے:

۱۔ مسلمان مفکرین میں اتحاد و اتفاق کی کمی ۲۔ فکری انحطاط ۳۔ مسلم امہ میں اعتماد کا بحران اور فکری محتاجی

۴۔ سوشل سائنسز کی اسلام کاری کے معاشرے پر مثبت اثرات میں کمی ۵۔ مسلم امہ پر فکری دباؤ

۶۔ مسلم امہ کی دل شکستگی اور انحطاط پذیری ۷۔ معاملات میں عدم توازن ۸۔ اسلامی تعلیمات پر مبنی نصابی معلومات کی کمی

۹۔ اسلامی تعلیمات پر مبنی تعلیمی اداروں کی شدید کمی ۱۰۔ اسلامی معلومات سے عاری تعلیمی تجربہ گاہوں کی کمی

۱۱۔ غیر مناسب فنڈنگ ۱۲۔ اسلامی اور سیکولر معلومات پر مبنی مشترکہ علم کی کمی

۱۳۔ ثقافتی ترقی کا انحطاط اور بنیادی اسلامی تعلیمات سے مفارقت ۱۴۔ اسلامی ریاستوں پر دباؤ

۱۵۔ جدید مغربی علوم کی اندھی تقلید ۱۶۔ مسلمانوں کی سیاسی طاقت کا زوال ۱۷۔ مسلمان مفکرین کی رہنمائی میں واضح وژن کی کمی

جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے مواقع

جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے مواقع حسبِ ذیل ہیں، جن سے فائدہ اُٹھا کر ان علوم کی اسلام کاری کا عمل پایہ تکمیل تک پہنچ سکتا ہے:

۱۔ مسلمانوں کے ثقافتی ورثہ سے استفادہ　　　　۲۔ سوشل سائنسز کی اسلامی تشکیل کے مواقع

۳۔ جدید مغربی علوم کی اسلام کاری میں کثیر جہتی نقطۂ نظر بہت سے لوگوں میں اس کام کی جسارت پیدا کر سکتا ہے۔

۴۔ دنیا کے بہت سے ممالک میں اسلام کاری کی مہم سے متعلق آگاہی دی جا رہی ہے۔

۵۔ دنیا کے بیشتر اسلامی ممالک اپنے اقتصادی اور قانونی نظاموں میں اسلامی عناصر کو لاگو کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

۶۔ ترقی پذیر ممالک میں اسلامی تعلیم کے معیار میں بہتری　　　　۷۔ اسلامی جمہوریت: ایک مثبت تحریک

۸۔ بیشتر ممالک میں سیاسی نظام کی اسلام کاری کر کے جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کی راہ ہموار کی جا سکتی ہے۔

۹۔ سیکولر معاشروں میں اخلاقی اقدار کو اسلامی اور روحانی بنیادوں پر استوار کرتے ہوئے نتیجتاً سیکولرازم کے تصور کی اسلام کاری اور اسلامی تجدید

۱۰۔ مغربی ممالک میں چونکہ مسلمان اقلیت میں ہیں، اس لیے وہاں پر مذہبی آزادی اور اقلیتوں کے حقوق کے متعلق قانون سازی کر کے جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کی جا سکتی ہے۔

۱۱۔ اسلام کو دہشت گردی سے منسوب کرنے کے تصور کو توڑ کر اسلام کا اصلی چہرہ دنیا کے سامنے لانا ہوگا۔

۱۲۔ انٹرنیٹ پر مبنی انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ذریعے جامعات کے درمیان جغرافیائی فاصلے کی رکاوٹوں کو توڑ کر جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے عمل کی تکمیل کی جا سکتی ہے۔

جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے راستے میں حائل خطرات

جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کی راہ میں درج ذیل خطرات حائل ہیں:

۱۔ سیکولرازم اور ثنویت کا مسئلہ ۲۔ مختلف ممالک میں مختلف اقسام کا ریاستی نظام　　۳۔ دنیا کے سپریم لیڈرز کا غیر اسلامی پسِ منظر ۴۔ اسلام کے متعلق مختلف افواہیں ۵۔ مسلمانوں پر نوآبادیاتی نظام کے اثرات ۶۔ نامور ماہرینِ تعلیم کا مغرب سے تعلق ۷۔ اسلامی تہذیب پر مغرب کی فکری اور ثقافتی یلغار، جو امّتِ مسلمہ کو سیاسی اور سماجی طور پر ایک دوسرے سے نہ صرف دور کر رہی ہے بلکہ ایک دوسرے سے تصادم پر بھی ابھار رہی ہے۔ ۸۔ جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے متعلق مسلمان مفکرین میں فکری کشمکش اور اس موضوع سے متعلق رجحانات میں علمی و ذہنی مفارقت ۹۔ مغربی جدت پسندی کے ثقافتی چیلنجز ۱۰۔ عرب دنیا بڑی شدت سے اپنے اعلیٰ تعلیمی اداروں کو مغربیت زدہ کر رہی ہے، خاص طور پر عرب دنیا کا اینگلو-امریکن تعلیمی ماڈل کی پیروی کرنا ۱۱۔ دہشت گردی اور دہشت گردی سے فروغ پاتے الزامات کی بدولت یہ بات بھی خطرہ کا سبب ہے کہ بہت سے سکالرز اور طلباء اسلامی تعلیمی اداروں میں داخلہ لینے معذرت کر سکتے ہیں۔　　۱۲۔ میڈیا پر اسلام فوبیا: مسلمانوں کے خلاف نفرت کا آن لائن فروغ۔

جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کا عملی طریقہ کار

اسلام کا فکری سرمایہ جدید مغربی علوم کی تمام شاخوں کا اسلام کے جامع اصول و ضوابط کی روشنی میں تنقیدی مطالعہ اور ان علوم کی اسلام کاری کے لیے واضح اور جامع عملی پلان کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام کاری کے لیے عملی طریقہ کار کی وضاحت ذیل میں کی جاتی ہے:

جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے عمل پر مباحث اور تجزیات ایک دوسرے سے بہت مختلف اور متضاد ہیں۔ اسلامائزیشن کے ذمہ داران اگر مندرجہ بالا اقدامات پر عمل پیرا ہوں تو عصری مغربی علوم کی اسلام کاری کے چیلنج سے نمٹا جا سکتا ہے۔

۱۔ اسلامی اور عصری مغربی شعبہ ہائے علوم کے متعلق وسیع معلومات کا حصول

اسلامی تعلیمات کے مطابق جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ اسلامائزیشن کا کام کرنے والے کے پاس نہ صرف اسلامی تعلیمات کا علم ہو بلکہ ان جدید شعبوں کا بھی وسیع اور مکمل علم ہونا ضروری ہے جنہیں وہ اسلامائز کرنا چاہتا ہے۔ وہ سکالرز جو جدید علوم کے ماہر ہیں اور جدید مغربی علوم کا وسیع علم رکھتے ہیں، ان کے لیے عربی زبان اور اسلامی علوم کا حصول از حد ضروری ہے تاکہ وہ اپنی معلومات کو تعلیماتِ اسلامی کی روشنی میں منظّم کر سکیں۔ بالکل اسی طرح ایسا سکالر جو عربی زبان وادب اور علومِ اسلامی کا ماہر ہے، اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جدید مغربی علوم یا جدید مغربی علوم کا آلودہ شعبہ سے متعلق بھی کامل معلومات حاصل کرے تاکہ اس شعبہ کی اسلام کاری میں اپنا حصہ ڈال سکے۔ وہ سکالرز جو مغربی زبانوں کا مکمل فہم نہیں رکھتے ان کے لیے ضروری ہے کہ جدید مغربی علوم کے وسائل کے تراجم تک بھی ان کی رسائی ہو۔ جدید مغربی علوم کا ماہر اور عربی زبان وادب اور علومِ اسلامیہ کا ماہر جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے لیے کے ساتھ مل کر مشترکہ طور پر بھی کام کر سکتے ہیں، تاکہ ایک دوسرے کی رہنمائی کر سکیں۔

۲۔ جدید مغربی علوم کے تمام شعبوں کی مفصل تحقیق

دنیا میں جدید علوم کی اسلام کاری پر کام کرنے والے سکالر کے لیے متعدد شعبے موجود ہیں جن میں بعض شریعتِ اسلامیہ پر مبنی ہیں اور بعض کا تعلق غیر شرعی علوم سے ہے۔ ضروری ہے کہ سکالر ان علوم کی شناخت کرے جو شریعتِ اسلامیہ سے متصادم ہیں اور جن کی اسلام کاری ضروری ہے۔ اس کے علاوہ وہ علم جس کی اسلام کاری مطلوب ہے اس پر ہونے والے کام کے متعلق بھی مکمل آگاہی ضروری ہے۔ سکالر کو علم ہو کہ علم کے کسی مخصوص شعبہ میں کون سی چیز یا کون سا پہلو ایسا ہے جس کی اسلام کاری مطلوب ہے۔ اسلامائز کیے جا رہے علم پر مسلمان مفکرین کے کیے گئے کام کی اہمیت کا علم بھی ضروری ہے تاکہ اس بات کا اندازہ کیا جا سکے کہ اس کام کی متعلقہ شعبہ میں کیا حیثیت ہے۔

۳۔ انسانی مسائل کا سروے

انسانیت کے مسائل میں عام طور پر مسلمان اور غیر مسلمان دونوں کے مسائل شامل ہیں۔ تعلیم کسی بھی قوم کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے زیر مطالعہ نظام یا شعبہ کی بنیاد اخلاقی قدروں پر ہونی چاہیے ورنہ تعلیمی نظام بھی معاشرے میں گناہ گار ہی پیدا کرے گا۔ ان مسائل میں نشے کی لعنت، خاندانی اخلاقیات کا زوال، فطرت کی عصمت دری اور زمین کے ماحولیاتی عدم توازن کے مسائل شامل ہیں۔ جب تک اسلام کاری کا کارکن ان مسائل کا درست ادراک نہیں کر لیتا، اُس وقت تک یہ کام مکمل نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ مسلم امہ کے بڑے بڑے مسائل کا سروے

مسلم امہ کے مسائل کا سروے اور ان مسائل کا تنقیدی تجزیہ جدید مغربی علوم کی اسلام کاری میں بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اسلام کاری میں مسلم امہ کے بڑے بڑے مسائل کا ادراک اور سروے کا نظریہ ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی کا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلم امہ کے سیاسی، معاشی، معاشرتی، ثقافتی، اخلاقی اور فکری مسائل کا سروے ضروری ہے۔

۵۔مسائل کا تخلیقی اور ترکیبی تجزیہ

مختلف علوم کی ترکیب اور آمیزش اسلامی ورثہ اور جدید مغربی علوم کے درمیان ایک پُل کا کام کرتی ہے، مثال کے طور پر یہ جدید شعبوں اور پہلوؤں کو اسلامی تعلیمات سے منسلک کرتی ہے۔

۶۔قرآن اور سنت پر مبنی علم کے اسلامی نظریہ کی تشکیل

علم کے ایک ایسے نمونہ کی تشکیل جس کا تعلق توحید پر مبنی تعلیمی نظام سے ہے، جدید علوم کی اسلام کاری کے لیے سخت ضروری ہے۔اس کی بنیاد دو باتوں پر ہے۔اول یہ کہ ان تمام قرانی آیات اور احادیثِ نبویہ ﷺ کا احاطہ کیا جائے جو اس علم سے متعلق ہیں اور دوسرے کا تعلق علم کی ان تمام شاخوں سے ہے، جو تاریخ اسلام اور اس کے قانونی، فلسفیانہ اور دوسرے پہلوؤں کی ترویج کا سبب بنے۔اس کا مقصد یہ ہے کہ ان تمام کاموں سے متعلق آگاہی مل سکے، جو اس موضوع پر ہوئے، تاکہ اس سابقہ کام کو مزید کیے جا رہے کام کے ساتھ مربوط کیا جا سکے۔

۷۔اسلام کے فکری ورثہ پر نظر ثانی کی ضرورت

اسلامی فکری ورثہ پر ایک نئی اسلامئزڈ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔اس فکری ورثہ کو تنقیدی اور تجزیاتی انداز سے سمجھا جانا ضروری ہے اور اس نظریہ سے بھی جس کے تحت اس کام کے ساتھ اپنا رویہ دکھاتے ہیں۔مثال کے طور پر یا تو ہم اسے مکمل طور پر رَد کر دیتے ہیں، یا پھر مکمل قبول کر لیتے ہیں اور یا پھر معمولی پیوند کاری سے مان لیتے ہیں۔

۸۔بنیادی اسلامی علم کے لیے بین الاقوامی مرکز کا قیام

جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے لیے ضروری ہے کہ بنیادی اسلامی علم کے لیے بین الاقوامی مرکز کا قیام عمل میں لایا جائے جو دوسرے شعبوں کے لیے سروس سنٹر کے طور پر کام کرے۔اس شعبہ کا کام مختلف زبانوں کا علم فراہم کرنا اور جدید مغربی علوم کی اسلام کاری سے متعلق گزشتہ تجربات سے استفادہ کرنا ہو۔ضرورت اس امر کی ہے کہ بعض لوگ بنیادی اسلامی فکری ورثہ میں ماہر ہوں، تاکہ وہ عصری مسائل کو حل کرنے کے لیے اس علم کا اطلاق کر سکیں۔جب کہ بعض دوسرے مخصوص شعبوں کے ماہر ہوں، تاکہ دونوں مل بیٹھیں اور اسلام کاری کے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں۔مختلف شعبوں کے لوگ جب آپس میں مل بیٹھیں گے تو ایک دوسرے سے اپنے تجربات بانٹیں گے اور استفادہ بھی کریں گے۔اس طرح وہ ایک دوسرے کے لیے ایک پُل کا کام کریں گے۔ہمارے پاس آج ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو جدید علوم کو اسلامی فکری ورثہ سے منسلک کر سکتے ہیں۔جب کہ ایسے افراد کی بھی کمی نہیں جو اسلامی فکری ورثہ کے ساتھ ساتھ جدید مغربی علوم کے بھی ماہر ہیں۔ایسے افراد جدید مغربی علوم کی اسلام کاری میں بھرپُور اور تعمیری کردار ادا کر سکتے ہیں۔

۹۔تعلیمی نصاب اور تمام درسی کتب کی اسلام کاری

نصاب کی اسلام کاری کا پہلا مرحلہ اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ اس مقصد کے لیے اختیار کیے گئے تعلیمی وسائل اسلامی نقطہ نظر سے ہوں، چاہے ان کا تعلق متعلّم سے ہو، معلم سے ہو، علم کی نوعیت سے ہو، خود عصری زندگی سے ہو یا کسی بھی مخصوص شعبہ علم سے ہو۔متعلّم اور علم کی فطرت کو سمجھنے کے لیے قرآنِ پاک اور سنتِ رسول ﷺ بنیادی وسائل کے طور پر استعمال ہوں۔اس سے اگلا مرحلہ اسلامی نظریات پر مبنی تعلیم کے واضح فلسفہ کا قیام ہے۔یہ ریاست، سکول کے رہنماؤں، اساتذہ، طلباء اور والدین کے لیے بہت اہم

ہے۔ تعلیم کے واضح مقاصد اور اہداف متعین کیے جائیں۔ اہداف اور مقاصد کا بروقت تعین اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ اسلام کاری کا جو کام ذمہ لیا گیا اس کی درست سمت کون سی ہے اور کہیں ہم اپنا اصل راستہ چھوڑ کر کہیں اور تو نہیں بھٹک رہے۔ اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ کسی بھی جامعہ میں مرتب کیا جانے والا نصابِ تعلیم صرف مسلمانوں کے لیے ہوگا بلکہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے یہ نصاب ہر طرح کے افراد کے لیے یکساں موزوں ہونا چاہیے۔

۱۰۔ طلباء، اساتذہ اور دیگر تعلیمی مینجرز کی جدید مغربی علوم کی اسلام کاری پر ذہنی آمادگی

جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے ذمہ داران کا فرض ہے کہ وہ علم کو غلطی، طبقاتی امتیازات، نفرت اور خود غرضی سے نکال کر اس کا احیاء کریں۔ صرف وحی کیا گیا علم ہی معاشرے کے لیے حقیقی سکون کا سبب ہو سکتا ہے۔ کسی بھی جامعہ کا یہ بنیادی وژن ہونا چاہیے کہ اس کا نصاب اپنی عالمگیریت کے لحاظ سے تمام طلباء کے لیے یکساں مفید ہے۔ طلباء، اساتذہ اور دیگر تعلیمی مینجرز کی جدید مغربی علوم کی اسلام کاری پر ذہنی آمادگی بہت ضروری ہے۔ جب تک یہ تمام افراد اسلام کاری کے مقصد کے لیے ذہنی طور پر آمادہ نہیں ہوں گے اس وقت تک یہ کام پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ تعلیمی مینجرز طلباء اور سکالرز کو اسلام کاری کے کامیاب نفاذ کے تمام مواقع اور وسائل فراہم کرتے ہیں۔ کافی عرصہ سے ہماری جامعات نے صرف وہی گراجویٹ پیدا کیے ہیں جو ایک یا دو ڈگریاں لے کر دوسرے ممالک میں جا کر کام کرنا اور پڑھانا چاہتے ہیں، ہمارے پاس ایسے افراد کی شدید کمی ہے جو اسلام کاری پر ذہنی لحاظ سے آمادہ ہوں۔

۱۱۔ اسلام کاری کے کامیاب نفاذ کے لیے عملی منصوبوں اور حکمت عملی کی تشکیل

جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے کامیاب نفاذ کے لیے عملی منصوبوں اور حکمت عملی کی تشکیل بنیادی اہمیت کا حامل پہلو ہے۔ اس سلسلہ میں ایک طرف تو کسی بھی مخصوص شعبہ علم کی اسلام کاری کے لیے ٹائم فریم کا تعین کیا جائے تاکہ اس مقررہ وقت کے اندر یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچے، دوسری طرف اسلام کاری میں ترجیحات کا تعین کیا جائے کہ کون سے شعبہ علم کی اسلام کاری کا کام پہلے کون سے شعبہ علم کا کام اس کے بعد کیا جا سکتا ہے۔ نیز اسلام کاری کے لیے دستیاب وسائل کا درست استعمال کیا جائے اور مزید وسائل دریافت کیے جائیں۔

۱۲۔ جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کے کام کی عام افراد تک اشاعت

عصر حاضر میں اسلامائزیشن کی تحریک نے مثبت رجحانات کو فروغ دیا ہے۔ دنیا میں بہت سے محققین نے اس مقصد کے لیے بہت سی تحقیقات کی ہیں لیکن ابلاغ کی مفارقت کی وجہ سے اس کام کام کے متعلق دوسرے لوگوں کو درست معلومات حاصل نہیں ہو رہی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید مغربی علوم کی اسلام کاری کا کام مکمل ہو جانے کے بعد اس کی تشہیر کی جائے اور عام افراد تک اس کام کے ثمرات پہنچائے جائیں۔ اس کام کے لیے سیمینار، کانفرنسوں، ورکشاپس، اور طلباء، اساتذہ اور دوستوں کے درمیان رسمی اور غیر رسمی مباحث منعقد کیے جائیں۔ تحریری کام آن لائن کیا جائے تاکہ عام افراد کی اس تک رسائی ممکن ہو اور عام مسلمان اس سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔

نتائج تحقیق

جدید مغربی علوم پر نقد و استدراک اور اخذ و استفادہ کے متعلق مسلم مفکرینِ تعلیم کی آراء کا تجزیہ کرنے کے بعد درج ذیل نتائج سامنے آئے ہیں:

۱۔ علم کے بارے میں دو طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں، ایک سیکولر اور دوسرے مذہبی۔ تعلیمی نظریات کی اس تقسیم کے انسانی معاشرے پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۲۔ جدید مغربی تہذیب و تمدن کی اساسیات یونانی تہذیب و تمدن ہے۔ یونانی مفکرین نے تعلیم کے بارے میں جو نظریات قائم کیے ہیں، جدید مغربی علوم کی بنیاد انہی نظریات پر ہے۔

۳۔ جدید مغربی علوم کی بنیاد مادیت پرستی پر ہے اور ان علوم کا مقصد منفعت کا حصول، آسائش اور معیارِ زندگی کو بہتر بنانا ہے۔ خدا طلبی اور اخلاقی اقدار کے لیے ان علوم میں کوئی جگہ نہیں۔

۴۔ جدید مغربی تہذیب نے گزشتہ کئی صدیوں سے فکری ارتقاء کا جو سفر طے کیا ہے اس کی بنیاد لادینیت اور مادیت پرستی ہے، اور بلاشبہ یہ تہذیب مذہب اور روحانیت سے دور ہو گئی ہے، لیکن اس حقیقت میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ سیاست، مدن اور معاشرتی تنظیم کے ضمن میں عملی نوعیت کے جو سوالات اٹھ رہے ہیں، جدید مغربی تہذیب نے ان مسائل کے حل کے لیے متعدد مفید تجربات اور تصورات پیش کیے ہیں جن کی افادی حیثیت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

۵۔ اہلِ علم کوئی بھی ہو مسلم یا غیر مسلم، اس سے علم کا حصول ممکن ہے اور اسلام نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

۶۔ مسلمان مفکرینِ تعلیم نے جدید مغربی علوم سے اخذ و استفادہ کی مختلف صورتوں کے بارے میں مختلف آراء دی ہیں، جن کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ جدید مغربی علوم سے اخذ و استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ مسلمان مفکرینِ تعلیم کی رائے یہ ہے کہ چونکہ تمام مغربی علوم یا ان علوم کے تمام عناصر اسلامی فکر سے متصادم نہیں ہیں، اس لیے ایسے عناصر سے استفادہ مناسب ہے، اور ایسے عناصر جو اسلام سے متصادم ہیں اور ان سے استفادہ ناگزیر ہے، تو ان علوم سے اخذ و استفادہ سے پہلے انہیں اسلامی قالب میں ڈھالا جائے۔

۸۔ بعض مسلم مفکرین جیسے سید نقیب العطاس، ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی اور ڈاکٹر طٰہٰ جابر العلوانی اس بات کے قائل ہیں کہ مذہبی اور سیکولر علوم کے درمیان باہمی ہم آہنگی، مطابقت اور امتزاج پیدا کیا جائے اور دونوں طرح کے علوم کو ایک دوسرے کا معاون قرار دیا جائے۔

۹۔ جدید مغربی علوم کے جو عناصر اسلامی فکر و فلسفہ سے متصادم ہیں ان کی اسلام کاری کی جائے اور انہیں نہ صرف اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے بلکہ اسلام کاری کے اس کام کو عام افراد تک پہنچایا جائے تاکہ وہ بھی ان سے استفادہ کر سکیں۔

حواشی و حوالہ جات

1 John Milton. Tractate on Education, The Haward Classic, New Yark,1644 A.D. pg. 46
2 John Dewey. Democracy and Education, Colambia University New Yark, 1957, pg. 81

3 John Dewey, Democracy and Education, chap. 6, pg. 89.
4Herbert Spencer. Education: Intellectual, Moral and Physical, Cambridge University Press, 1932, pg. 301
5Thomas Woody. The American Encyclopedia, vol: 96, New Yark, pg. 592

6 R. Aldrich. Plato in PROSPECTS: The Quarterly Review of Comparative Education, pg. 69
7 ibid, pg. 76

8 شبیر احمد. تعلیم کی کہانی، کفائت اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۱ء، ص: ۷۵

9 ایضاً ،ص: ۲۹۹

10 John Dewey, Democracy and Education, Chap. 6, pg. 81.

11 مودودیؒ، سید ابوالاعلی . تعلیمات، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئ دہلی، ۲۰۰۳ء، ص: ۶۹

12 حوالہ بالا، ص: ۲۲

13 Al-Attas, Syed Muhammad al-Naquib. Aims and objectives of Islamic Education, King Abdul Aziz University, Jedda, 1979 A.D. pg. 30-31

14 سید محمد نقیب العطاس. مسلمانوں کو در پیش پسِ منظر (مترجم: ڈاکٹر ذکی کرمانی)، ششماہی: آیات، جلد: ۱۳، شمارہ: ۱، جنوری تا جون ۲۰۱۵ء، علی گڑھ، ص: ۳۶

15 Al-Alwani, Taha Jabir. The Islamization of Knowledge: Yesterday and Today, (Translated by Yusuf Talal Delorenzo), HIT, Herndon, Virginia, 1995 A.D. pg. 13

16 الفارقی، ڈاکٹر اسماعیل راجی. علومِ جدید کی اسلامی تشکیل: عمومی اصول اور خطوط کار، (مترجم: پروفیسر سید محمد سلیم)، ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان، ۲۰۱۸ء، ص: ۸۵ تا ۸۶

17 پروفیسر سید محمد سلیم. مغربی فلسفہ تعلیم: ایک تنقیدی مطالعہ، زوار اکیڈمی پبلشرز، کراچی، جنوری ۲۰۰۸ء، ص: ۱۲۳ تا ۱۲۷

18 ابن ہشام، ابو محمد عبدالملک، سیرت النبی، (مترجم: سید یاسین علی حسنی نظامی)، ج: اول، ادارہ اسلامیات، انار کلی لاہور، ۱۹۹۴ء، ص: ۷۱

19 سید حسین نصر. اسلام اور سائنس: سید حسین نصر سے خصوصی گفتگو، www.ilad.com، visited on 01/9/2019 at 0900 hours

20 الفاروقی، ڈاکٹر اسماعیل الراجی، علومِ جدید کی اسلامی تشکیل: عمومی اصول اور خطوط کار، ص: ۸۹ تا ۹۰

21 ابوالحسن ندوی. مسلم ممالک میں اسلام اور مغربیت کی کشمکش، طبع: پنجم، مجلس تحقیقات ق تشریات، لکھنؤ، ص: ۳۱۱

22 Syed Muhammad Nuqaib Al Attas. Islamization of Knowledge: Reflections on Priorities. Vol: 8, 2000 A.D. pg.42.

23 پروفیسر سید محمد سلیم. اسلامی تعلیم۔۔۔ مسائل اور تجزیے، سلیم احمد ٹرسٹ، کراچی، ۱۹۸۴ء، ص: ۳۹

24 سید ابوالحسن ندوی. انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، ۱۹۹۷ء، ص: ۳۵۱

25 Al-Wani, Dr. Taha Jabir, The Islamization of Knowledge: Yesterday and Today, (Translated in English by Yusuf Talal Delorenzo), International Institute of Islamic Thought (IIIT), USA, 1955 A.D. pg. 1۹